پاکستان میں زکوٰۃ آرڈیننس ۱۹۸۰ء کا نفاذ۔۔ایک جائزہ

سعدیہ گلزار*

ABSTRACT:

Islam is a complete code of life which offers its own Social, Political and Economic Systems, to guide humans in all the spheres of life. Zakaat is an important tool of fiscal policy in the Economic System of Islam. It is an important source of providing economic protection, alleviation of poverty and fair distribution of wealth. In Pakistan attempts were made in 1980 to implement the Zakaat and usher Ordinance, to get these objectives. However, some aspects in the implementation of this ordinance are debatable and need to be revised. This article analyzes the implementation of Zakaat ordinance and related issues.

زکوٰۃ اسلامی مالیاتی پالیسی کا اہم آلہ ہے، جس کا استعمال معاشی استحکام کے لیے ناگزیر ہے۔نظام زکوٰۃ کے نفاذ سے نہ صرف اللہ کی رضا کا حصول ممکن ہے بلکہ معاشی خوشحالی بھی ممکن ہے۔اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو، اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے اس کو ضرورت مندوں کی کفالت پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔حاکم ریاست کی ذمہ داری ہے وہ زکوٰۃ کو سرکاری سطح پر جمع کروا کے مستحقین میں تقسیم کروائے۔اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّـذِيْـنَ إِن مَّـكَّـنَّـاهُـمْ فِـىْ الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُور (۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام امور کا انجام تو اللہ کریم ہی کے اختیار میں ہے۔''

اسلامی تعلیمات کی رُو سے زکوٰۃ کو امرا کے لیے فرض اور غربا کا حق قرار دیا گیا ہے۔اس بارے میں ارشاد ربانی ہے:

وَفِىْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (۲)

''اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محروم لوگوں کا حق ہے۔''

امرا کی آمدنی میں غربا کا حصّہ مقرر کر کے اجتماعی نظام کفالت کا اہتمام کیا گیا ہے۔زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے۔اگر زکوٰۃ کی رقم مستحقین میں عادلانہ تقسیم ہو تو غربا کو بنیادی ضرورت کی اشیا مہیا ہو سکتی ہیں اور ان کا معیار زندگی بہتر ہو سکتا ہے۔جس سے ان کی معاشی خوشحالی ممکن ہے، نیز معاشرہ ارتقا پذیر ہوتا ہے۔

* لیکچرار: شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور　برقی پتا: Salam_pak33@yahoo.com

تاریخ موصولہ: ۱۵/اپریل ۲۰۱۲ء

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک: زکوٰۃ نظام مدنیت کو بہتر طریقے پر قائم رکھتی ہے کیونکہ معاشرے میں کمزور، اپاہج اور حاجت مند لوگ ہوتے ہیں اور کچھ آفات سماوی وارضی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ان کی ضروریات پوری نہ کی جائیں تو اس کا نتیجہ پوری قوم کی ہلاکت ہے۔(۳)

اسلام زکوٰۃ کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم کرتا ہے، زکوٰۃ اور صدقات کا مقصد ہی دولت کو امراء سے غربا کی طرف منتقل کرنا ہے، تاکہ معاشی تفاوت میں کمی آئے اور زر گردش میں رہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ(۴)

''تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ ہی میں یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے۔''

دولت کی منصفانہ تقسیم سے معاشرے کے نچلے طبقے کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے اشیائے صرف کی طلب بڑھتی ہے، صنعت کاروں کو سرمایہ کاری کی ترغیب ملتی ہے، وہ سرمایہ کاری میں اضافہ کرتے ہیں۔ صنعتی ترقی کے ساتھ روزگار کے مواقع بھی بڑھتے ہیں۔ سرمایہ کاری کا ماحول بنتا ہے اور معیشت خوشحالی کے راستے پر گامزن ہو جاتی ہے۔

اگر افراد اپنی آمدن کو عرصہ قلیل میں زیادہ بچانا شروع کر دیں اور کم خرچ کریں تو اشیائے صرف کی طلب کم ہو جاتی ہے، آجرین اشیا کی طلب میں کمی کے باعث، پیداوار کم کر دیتے ہیں، جس سے بے روزگاری پھیلتی ہے اور معاشی سرگرمیاں متاثر ہوتی ہیں۔ زکوٰۃ سے دولت گردش میں رہتی ہے اور صرف کا معیار بھی بہتر ہوتا ہے۔ معیشت میں بچتوں میں اضافہ اور سرمایہ کاری میں کمی کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا ہے۔ اس سے معاشی نمو ہوتی رہتی ہے۔

درحقیقت اسلام معاشی ترقی کا خواہاں ہے۔ زکوٰۃ انسان کی روح کے تزکیہ کا اہم ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم(۵)

''اے نبیؐ، ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کیجئے، ان کو پاک کرنے اور ان کے تزکیہ کے لیے۔''

تزکیہ سے مراد دل کو مال کی محبت سے پاک کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک زکوۃ کا ایک مقصد تزکیہ نفس ہے۔ زکوۃ کی عدم ادائیگی کا حقیقی سبب انسان کا حرص اور بخل ہے جو کہ قبیح ترین خلق ہے اور یہ انسان کے عذاب کا موجب ہے جب کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بخل ختم ہوتا ہے اور یہ آخرت کے لیے بہتر ہے۔ اگر آدمی سلیم الفطرت ہے تو کسی کو محتاج دیکھ کر اس کے دل میں طبعاً رقت پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس میں یہ خصلت نہ پائی جائے تو اس کے دین میں رخنہ ہے، اس کا انسداد ضروری ہے۔(۶)

اگر عصر حاضر میں ملکی سطح پر نظام مالیات کا جائزہ لیا جائے تو سود پر مبنی ہے۔ سودی نظام نہ صرف قوموں کی معاشی بدحالی کا سبب ہے بلکہ معاشرے سے محبت واخلاص کے جذبات کو بھی ناپید کر رہا ہے۔ اسلام میں سود کے متبادل زکوٰۃ کو متعارف کروایا گیا ہے۔ یہ بات واضح بیان کی گئی ہے سود کا معاملہ کرنے سے مالوں میں بڑھوتی نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ دینا مال میں اضافہ کا باعث بنتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّباً لِّيَرْبُوَ فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيْدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ(۷)

''تم سود دیتے ہو اس غرض کے لیے کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائے دراصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی، البتہ جو زکوٰۃ تم محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے دیتے ہو، وہ دوگنی چوگنی ہوتی چلی جاتی ہے۔''

نظام مالیات کی دوسری بڑی خرابی ٹیکسوں کا نظام ہے۔ غیر ضروری ٹیکسوں کی بھرمار نے صارفین کو مشکلات کا شکار کردیا ہے۔ اسلام زکوٰۃ اور صدقات کے نظام کو رائج کرتا ہے۔ زکوٰۃ کو فرض قرار دینے کے ساتھ غریبوں کا حق قرار دیا۔ تاکہ غریبوں کی عزت نفس برقرار رہے۔

پاکستان کی تاریخ میں جنرل ایوب خان کے دور میں معاشی پالیسیوں کی وجہ سے دولت صرف بائیس خاندانوں میں مرتکز ہوکر رہ گئی۔ اگر ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تو معاشی ناہمواریوں میں کمی آتی۔ عصر حاضر میں یہ خاندان پچاس سے زائد ہوگئے ہیں۔ ایک طبقہ عیش وعشرت کی زندگی گزار رہا ہے جب کہ دوسرا طبقہ بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم ہے۔ اخبارات میں بھوک کی وجہ سے خودکشی کے واقعات عام ملتے ہیں۔ اگر نظام زکوٰۃ کو نافذ کردیا جائے تو منصفانہ تقسیم دولت کی وجہ سے معاشی خوشحالی ممکن ہے۔ تاریخ میں جنرل ضیاء الحق کا زکوٰۃ آرڈیننس ۱۹۸۰ء پاکستان میں نظام زکوٰۃ وعشر کے قیام کی طرف پہلا قدم تھا۔

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ (۱۰ فروری ۱۹۷۹ء) کو صدر نے اسلامی معاشی نظام رائج کرنے کے ایک سہ سالہ منصوبے کا اعلان کیا۔ ۲۴ جون ۱۹۷۹ء کو زکوٰۃ کا تنظیمی آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء نافذ کیا گیا۔ زکوٰۃ آرڈیننس کو زکوٰۃ وعشر آرڈیننس بھی کہا جاسکتا ہے۔ بعد ازاں زکوٰۃ وعشر کے مسودہ پر غور وخوض کے بعد زکوٰۃ وعشر آرڈیننس مجریہ ۲۰ جون ۱۹۸۰ء بمطابق ۶ شعبان ۱۴۰۰ھ کو نافذ کیا گیا۔ پہلے آرڈیننس کے تحت قائم کیے گئے ادارے بحال رکھے گئے اور اس کی تمام شقیں من وعن برقرار رکھی گئیں۔ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے حوالے سے یہ واضح تھا اس کا اطلاق صرف پاکستانی مسلم شہریوں، کمپنیوں اور ایسوسی ایشن پر کیا جائے گا۔(۸)

ذیل میں زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے اطلاق کا جائزہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تفصیل سے لیا جائے گا۔

ا۔ نصابِ زکوٰۃ:

زکوٰۃ آرڈیننس میں نصاب زکوٰۃ کو بھی واضح کیا گیا۔ چاندی ۶۱۲:۳۲ گرام یا اس کے برابر نقدی یا سامان تجارت پر زکوٰۃ کی کٹوتی کی جائے گی اور سونے کا نصاب ۸۷:۴۸ گرام مقرر کیا گیا(۹)۔ تاہم ۸۰ء کی دہائی سے بینکوں میں رکھی گئی امانتوں پر زکوٰۃ کی کٹوتی کے لیے چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا گیا۔ اسی طرح مویشیوں کا نصاب شریعت کے مطابق رکھا گیا۔ سونا، چاندی اور مویشیوں کے علاوہ گیارہ اثاثوں پر زکوٰۃ کی کٹوتی ۵ء۲ فیصد شرح سے کی جاسکتی ہے، جن میں سیونگ بینک اکاؤنٹ، نوٹس ڈیپازٹ رسیدیں اور اکاؤنٹ، فکسڈ ڈیپازٹ رسیدیں، سیونگ سرٹیفکیٹ، N.I.T یونٹس،

ICP میوچل فنڈز، گورنمنٹ کے تمسکات، سالیانے ، کمپنیوں کے حصص، زندگی کی بیمہ پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ۔(۱۰)

عُشر کے حوالے سے واضح تھا ہر زمیندار، ضامن، الاٹی، پٹے دار اور ٹھیکیدار سے لازمی طور پر وصول کیا جائے گا۔کاشتکاروں کو رعایت دی گئی کہ بارانی علاقوں سے فصل کا عشر دس فیصد کی بجائے پانچ فیصد لازماً اور پانچ فیصد رضا کارانہ طور پر ادا کرنے کی رعایت دی گی (۱۱)۔عشر کا نصاب پانچ وسق مقرر کیا گیا۔پانچ وسق کے برابر جو رقم ہوگئی اس پر بھی عشر لاگو کیا گیا(۱۲)۔عشر کا نصاب شریعت کے مطابق تھا۔عشر نقدی کی صورت میں جمع کیا جائے گا۔صوبائی کونسل کے مطابق اگر کاشت کار کے پاس گندم یا دھان ہو تو وہ اجناس کی صورت میں بھی عشر ادا کر سکتا ہے(۱۳)۔صاحب نصاب کو اختیار دیا گیا کہ وہ لوکل زکوٰۃ فنڈ میں عشر کی رقم جمع کروائے یا مستحقین میں تقسیم کر دے۔(۱۴)

زکوٰۃ آرڈیننس کے مطابق عشر کا ہر ٹھیکیدار، زمین دار، الاٹی اور پٹے دار سے لازمی طور پر وصول کرنا شرعی اصولوں کے مطابق ہے۔شریعت میں بھی عشر کا نصاب پانچ وسق ہے۔گندم یا دھان کے علاوہ دیگر زرعی اجناس میں صاحب عشر کو اختیار ہونا چاہیے، چاہے تو زرعی اجناس بطور عشر دے دے، چاہے تو اجناس کی فروخت کاری کے بعد نقد ادائیگی کر دے۔ اگر صرف نقد ادائیگی بھی لی جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ عصرِ حاضر میں زرعی اشیا کی خرید وفروخت زیادہ سہل اور بڑے پیمانے پر ہوتی ہے، اگر مستحقین کو نقد ادائیگی کی جائے تو وہ ضرورت کی اشیا خرید سکتے ہیں۔

۸۰ء میں عشر مقامی سطح پر جمع کیا جاتا تھا۔لیکن بعد کے ادوار میں سرکاری سطح پر عشر کی وصولی میں کمی آئی۔اگر حکومتی سطح پر عشر جمع نہ کیا جائے تو شرعی بنیادوں پر ہر زمیندار کو عشر ادا کر دینا چاہیے۔اس سے مقامی لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گئی۔پاکستان کی جی ڈی پی میں زراعت کا حصّہ تمام شعبوں سے زیادہ ہے۔اگر ہر زمیندار اپنی زرعی پیداوار میں سے شریعت کی حقیقی روح کے مطابق عشر ادا کرے تو زراعت پر زرعی ٹیکس کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور اس سے اتنی مقدار میں وصولی ہو سکتی ہے، جس سے علاقائی ضرورت کے علاوہ دیگر علاقوں میں رقم منتقل کی جا سکتی ہے۔نیز غربت میں کمی آئے گی، لوگوں کی مالی حالت بہتر ہوگی اور معاشرتی جرائم اور برائیوں کا بھی خاتمہ ہوگا۔

۲۔ زکوٰۃ کی کٹوتی کے لیے مال واجبہ پر سال گزارنے کی لازمی شرط:

شریعت کی رُو سے زکوٰۃ کی کٹوتی کے لیے مال واجبہ پر سال گزارنے کی لازمی شرط ہے۔تاہم، بینک صاحب نصاب کے لیے سال کو مدنظر نہیں رکھتے اگر کسی نے رمضان سے چند دن پہلے بھی رقم جمع کروائی، اگر یہ چاندی کے نصاب کے مطابق ہو تو زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔یہ طریقہ شریعت کے مطابق نہیں ہے کیونکہ مال پر زکوٰۃ کے لیے ایک سال کا گزرنا شرط ہے۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

لا زكوٰة في مال، حتى يحول عليه الحول (۱۵)

’’کسی مال میں بھی اس وقت تک کوئی زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال نہ گزر جائے۔‘‘

بینکوں کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں سال گزرنے کا لحاظ رکھا جائے۔ مولانا تقی عثمانی نے اس سلسلے میں تجویز دی تھی کہ جو شخص یہ ثابت کردے کہ تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گزرا، اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ (۱۶)

۳۔ فقہ جعفریہ اور مسئلہ زکوٰۃ:

زکوٰۃ آرڈیننس کی رُو سے فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو ان کے عقیدے کے مطابق زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اس آرڈیننس میں واضح طور پر یہ شقیں موجود تھیں، جن کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

دو گواہیاں ضروری ہیں جو کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے اور تسلیم شدہ فقہ کی پیروی کرنے کو ثابت کریں، جس کا اس نے دعوی کیا ہو۔ (۱۷)

کسی بھی شخص کی درخواست پر فیڈرل شریعت کورٹ فیصلہ کرسکتی ہے کہ اس کا فقہی دعوی درست ہے کہ نہیں۔ (۱۸)

اس آرڈیننس میں یہ دفعہ رکھی گئی کہ جس شخص کی زکوٰۃ اس کے مسلک کے اعتبار سے غلط کٹ گئی ہو وہ ایک حلف نامہ داخل کرکے کاٹی ہوئی زکوٰۃ واپس لے سکتا ہے یا آئندہ زکوٰۃ سے اپنے آپ کو مستثنیٰ کراسکتا ہے۔ (۱۹)

ان شقوں کی رو سے فقہ جعفریہ کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں چھوٹ دی گئی کیونکہ اس مسلک کے افراد خمس ادا کرتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے جو مال ان کی ضرورت سے زائد ہو اُس میں سے زندگی میں ایک مرتبہ صدقہ ادا کریں۔ لیکن زکوٰۃ اسلام کے مالیاتی نظام کا ایک اہم حصّہ ہونے کے ساتھ دین کا بھی رکن ہے، اس کی ادائیگی دینی فریضہ کا حکم رکھتی ہے۔ آیت قرآنیہ کی رُو سے اسلامی مملکت میں حکمران کا فرض ہے وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کو لازم بنائے (۲۰)۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں جب بعض قبائل نے کلمہ کا اقرار کرنے کے باوجود زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا:

> **واللّٰہ لأقاتلن من فرّق بین الصّلاة والزکاة، فان الزّکاة حق المال، واللّٰہ! لو منعوني عناقا کانوا یؤدونها الی رسول اللّٰہؐ لقا تلتهم علی منعها. قال عمرؓ. فواللّٰہ! ماهو الا أن شرح اللّٰہ صدر أبی بکرؓ، فعرفت انه الحق.** (۲۱)
>
> خدا کی قسم میں ان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک وہ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے اور بیشک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم اس وقت تک جہاد کروں گا جب تک وہ بکری کی رسی بھی نہیں دیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا پس انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

اول تو اسلامی ریاست میں رہنے والے تمام افراد پر زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس لیے فقہ جعفریہ کو بھی زکوٰۃ لازمی طور پر ادا کرنی چاہیے۔ حکومت کو چاہیے زکوٰۃ کی ادائیگی لازم کردیں۔ اگر فقہ جعفریہ کو زکوٰۃ ادائیگی میں رعایت دی

جاتی ہے تو ان پر زکوٰۃ کے نصاب کے برابر فلاحی ٹیکس کو لازم کیا جائے۔اس بارے میں مولانا محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں: اس سے عام مسلمان بھی فقہ جعفری کے بعض مراکز اور امام بارگاہوں کے مرتب اور تصدیق شدہ اسٹامپ پیپرز کے ذریعے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے خود کو زکوٰۃ وعشر سے مستثنیٰ کرالیتے ہیں۔اس دفعہ کی ترمیم میں لکھتے ہیں: جو لوگ اپنے مذہب کی وجہ سے زکوٰۃ آرڈیننس کے تحت زکوٰۃ ادا نہ کریں، ان سے ایک فلاحی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس میں بیان کردہ شرح کے مطابق ہوگا، تاکہ کسی شخص کو زکوۃ سے جان چھڑانے کا کوئی راستہ اور نظام زکوٰۃ کو ناکام یا کمزور کرنے کا موقعہ نہ ملے (۲۲)۔نور محمد غفاری کا موقف ہے فقہ جعفریہ کے عقیدے کے مطابق ان سے خمس وصول کرنا چاہیے۔(۲۳)

۱۹۸۰ء سے لے کر عصر حاضر تک فقہ جعفریہ پر فلاحی ٹیکس عائد نہیں کیا گیا اور نہ ہی خمس وصول کیا گیا ہے۔اگر فلاحی ٹیکس عائد کیا جائے تو اس سے زکوٰۃ سے بچنے کے جعلی ذریعے کا سدباب کیا جا سکتا ہے اور ضرورت مندوں کی ضروریات کے لیے کثیر سرمایہ بھی میسر آسکتا ہے۔بہتر حل یہ ہے کہ بینک کے نظام زکوٰۃ میں بہتری لائی جائے تاکہ اجتماعی سطح پر زکوٰۃ کو جمع کر کے مستحقین کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔صاحب نصاب مسلمان کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ اور فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والوں کے اکاؤنٹ سے شرح زکوٰۃ کے مساوی فلاحی ٹیکس کی کٹوتی کی جائے۔

۴۔ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی اور عادت بخل کا علاج:

عصر حاضر میں بینک نے حلف نامہ کا طریقہ متعارف کروایا ہے۔یکم رمضان سے پہلے حلف نامہ جمع کروا کے زکوٰۃ سے بچا جا سکتا ہے۔دو قسم کے لوگ اس کو استعمال میں لاتے ہیں ایک وہ جو مصارف زکوٰۃ سے مطمئن نہیں ہوتے اور خود زکوۃ ادا کرتے ہیں۔دوسرے مال کی محبت میں ڈوبے ہوئے لوگ جو زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنا چاہتے ہیں۔آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان فطرتاً مال و دولت کا حریص ہے۔آیت قرآنی کی رو سے سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کر دی گئی ہے (۲۴)۔احادیث نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق انسان طبعاً لالچی اور دنیا کا حریص ہے۔ابن آدم کے بوڑھا ہونے کے باوجود مال و دولت اور طویل عمر کی حرص جوان رہتی ہے (۲۵)۔اگر ابن آدم کو سونے کی دو وادیاں بھی مل جائیں تو تیسری کی خواہش کرے گا، ابن آدم کا پیٹ تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔(۲۶)

قرآن مجید میں جائز طریقوں سے حاصل شدہ دولت کو جمع کر کے روک رکھنے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔بخل اخلاقی برائی ہے اور آیت قرآنیہ کی رُو سے جو شخص عادت بخل سے بچتا ہے، وہی فلاح پانے والا ہے (۲۷)۔نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے مطابق بخل مومن کی صفت نہیں ہو سکتی (۲۸)۔حدیث نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں سخی اور بخیل کی مثال لوہے کی زرہ پہنے ہوئے شخص سے دی گئی ہے، سخی جب صدقہ کرتا ہے تو زرہ کشادہ ہو جاتی ہے، یعنی اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے۔جب کہ بخیل کی زرہ تنگ ہو جاتی ہے یعنی اس کی کنجوسی مال خرچ کرنے پر آمادہ نہیں کرتی (۲۹)۔اسلامی تعلیمات کی رو سے خرچ کرنے والے سے حسد (رشک) جائز ہے۔(۳۰)

گویا ابن آدم مال و دولت کی حرص رکھتا ہے۔ مال و دولت کی محبت کو رضا الٰہی اور اخروی اجر و ثواب کے حصول کے لیے، اللہ کی راہ میں خرچ کر کے کم کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے حقیقی ٹھکانہ اللہ کے پاس ہے۔ اہل ایمان کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے دل کو مذہب کی ابدی اقدار، باقی رہنے والی آخرت اور اللہ الحي القيوم کی طرف متوجہ کردے۔ دنیاوی زندگی کو عارضی سمجھنے والا مادہ پرست اور مفاد پرست نہیں ہوتا، بلکہ ایسا شخص مومن کہلاتا ہے جو بخل کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے۔اسی طرح زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔(۳۱)

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم بخل سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔بخل کی وجہ سے دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے۔اگر خون صرف دل میں مرتکز ہو کر رہ جائے تو انسان کی موت واقع ہوسکتی ہے۔زندگی کو قائم رکھنے کے لیے گردش خون ضروری ہے۔اسی طرح معیشت دولت کی گردش سے ترقی کی طرف گامزن ہوتی ہے۔اگر دولت کو دبا کر رکھ دیا جائے تو معیشت کو تنزلی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان ترغیبات اور وعید کی روشنی میں ایک مسلمان اپنے مال کو پاک کر کے خود کو جہنم کی آگ سے بچا سکتا ہے۔

۵۔ زکوٰۃ فنڈ کا استعمال:

زکوٰۃ آرڈیننس کی رُو سے یتیموں، بیواؤں، معذور افراد، دینی مدارس، تعلیمی اور ووکیشنل ادارے، عوامی فلاح و بہبود کے اداروں، ہسپتالوں، خیراتی اداروں اور دیگر صحت عامہ کی سہولیات فراہم کرنے والے اداروں کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے گئی(۳۲)۔قدرتی حالات سے متاثر افراد کو مثلاً سیلاب اور زلزلے سے متاثرین کی آبادکاری کے لیے، نیز زکوٰۃ کو اکٹھا کرنے کے اخراجات اور زکوٰۃ وعشر کے انتظامی اخراجات پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے(۳۳)۔مرکزی کونسل اور ڈویژنل انتظامیہ کے اخراجات وفاقی حکومت فراہم کرے گی۔چیف ایڈمنسٹریٹر کی انتظامی تنظیم، صوبائی کونسل اور ضلعی کمیٹی کے اخراجات صوبائی حکومت فراہم کرے گی۔سالانہ بجٹ میں زکوٰۃ کے انتظامی امور کے لیے دس فیصد سے زائد رقم مختص نہیں کی جائے گی۔(۳۴)

زکوٰۃ آرڈیننس کے مطابق زکوٰۃ وعشر کی رقم مستحقین میں تقسیم کی جاتی ہے۔ہر سال زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے مرکزی زکوٰۃ کونسل سے منظوری لی جاتی ہے۔

- فقرا اور مساکین میں بالغ مسلمان کو مدنظر رکھا جاتا ہے جو غربت کی حد سے نیچے زندگی گزار رہا ہو بے روزگار اور بھکاری نہ ہو۔گزارہ الاؤنس کی حد بھی مقرر کی جاتی ہے۔(بے روزگار تو زکوٰۃ کا زیادہ مستحق ہے، مدیر)
- لوکل زکوٰۃ کمیٹی مستحق طلبہ کا تعین کرتی ہے۔اسکول، کالج، یونیورسٹی، پولی ٹیکنیک اور حکومت کے قائم کردہ تعلیمی ادارے یا نجی سطح پر قائم سماجی بہبود یا خیراتی اداروں کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔طلبہ کے لیے ضروری ہے اس رقم کو صرف فیس، کتابوں، اسٹیشنری اور پڑھائی کے مواد کے لیے استعمال کریں۔(بینکوں کے ذریعہ طلبہ میں صحیح طور پر زکوٰۃ تقسیم نہیں ہوتی، اسے بہتر بنانے کی ضرورت ہے، مدیر)

- ٹیکنیکل تعلیم کے لیے جو بالغ طلبہ غربت کی حد سے نیچے زندگی بسر کر رہا ہو (۱۸ سے ۳۵ سال کی عمر تک) برسر روزگار ہونے تک رقم دی جاتی ہے۔
- دینی مدارس کے طلبہ کو بھی زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ مستحق طلبہ کا تعین لوکل زکوٰۃ کمیٹی کرتی ہے۔
- مختلف ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج معالجے کے لیے بھی زکوٰۃ کی رقم کا اجراء کیا جاتا ہے۔ یہ رقم ادویات، طبی علاج، لیبارٹری ٹیسٹ، جنرل وارڈ کے بستروں، مصنوعی ہڈیوں کی خریداری، ایمبولنس کی سہولت اور دیگر سہولیات کے لیے دی جاتی ہے۔
- لڑکیوں کی شادی کے لیے بھی زکوٰۃ کی رقم جاری کی جاتی ہے۔ مستحق عورت کا تعین لوکل زکوٰۃ کمیٹی کرتی ہے۔(۳۵)

زکوٰۃ دیتے وقت آٹھ مصارف ملحوظ رکھنے ضروری ہیں، زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کا تعین آیت قرآنیہ سے واضح طور پر ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ(۳۶)

’’یقیناً صدقے صرف فقیروں کے لیے، مساکین کے لیے، اور ان کو وصول کرنے والوں کے لیے، تالیف قلب کے لیے، گردنیں چھڑانے، قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ علم والا اور بہت حکمت والا ہے۔‘‘

زکوٰۃ رفاہ عامہ کے کاموں اور این جی اوز کو نہیں دی جاسکتی۔ بشرطیکہ فلاح و بہبود کے اداروں کے سامنے زکوٰۃ کا صحیح معنوں میں مستحق شخص آجائے، تو اُس کو دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح سیکولر نظام تعلیم کو پروان چڑھانے والے اداروں میں نہیں دی جاسکتی۔ ہسپتالوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے لیکن یہ تسلی کرنا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے فقرا اور مساکین کا ہی علاج کیا جائے، نہ کہ امرا اور سیاسی طبقہ اپنے اثر و رسوخ سے علاج کے لیے زکوٰۃ کی رقم کو زیر استعمال لا رہا ہو۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لاحظّ فيها لغنيّ ولا لقوي مكتسب(۳۷)

’’زکوٰۃ میں مال دار شخص کا کوئی حق نہیں، نہ ہی کسی قوی، کمانے کی صلاحیت والے کے لیے۔‘‘

اس حدیث نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے واضح ہوتا ہے، صاحب حیثیت زکوٰۃ کا مال استعمال میں نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں تبدیلی بھی نہیں لائی جاسکتی کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے متعین کردہ ہیں۔

جہاں تک لڑکیوں کی شادی کے حوالے سے زکوٰۃ کی رقم کا تعلق ہے اسے حقائق کی روشنی میں دیکھنا ہوگا۔ نئے جوڑے کو گھر کی تیاری کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔ اس میں یہ بھی دیکھا جائے گا غریب کی غریب سے شادی ہو رہی ہے۔ گھر کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینے میں شرعاً قباحت نہیں ہے۔ تاہم غیر شرعی کاموں کے لیے دینا جائز نہیں۔

اصلاح کے لیے تجاویز:

نظام زکوٰۃ کو بہتر بنانے کے لیے چند تجاویز حسب ذیل ہیں:

- زکوٰۃ کے وصولی کے نظام کو بہتر بنانا ضروری ہے۔زکوٰۃ امیر لوگوں سے لازمی طور پر وصول کی جائے۔بہت سے افراد زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مختلف طریقے تلاش کرتے ہیں۔مثلاً بہت سے لوگ یکم رمضان سے پہلے حلف نامہ جمع کروا کے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔اسی طرح شیعہ حضرات بھی زکوہ ادا نہیں کرتے، کچھ لوگ خود کو جعفریہ مسلک کا لکھوا کر زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جاتے ہیں۔لوگوں کے اس رویے میں اصلاح کی ضرورت ہے۔یہ احساس پیدا کرنا ضروری ہے زکوٰۃ دین اسلام کا رکن ہے اور مذہبی بنیاد پر فرض کی گئی ہے۔اس کی عدم ادائیگی سے مال ناپاک رہتا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ہے۔(زکوٰۃ کے نظام کو کامیاب بنانے کے لیے سب سے اہم قدم یہ ہے کہ لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو کہ زکوٰۃ کے نظام کو چلانے والے امانت دار اور دیانت دار ہیں، مدیر)
- علماء کرام نے شیعہ حضرات پر شرح زکوٰۃ کے برابر فلاحی ٹیکس عائد کرنے کی تجویز دی تھی مگر آج تک اس پر عمل نہیں ہو سکا۔اس تجویز پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔
- مویشیوں اور اموال تجارت پر بھی زکوٰۃ کی کٹوتی ہونی چاہیے۔ہر سال زکوٰۃ کی وصولی کے لیے ضلعی زکوٰۃ کونسل کے تحت جمع کی جاسکتی ہے۔اگر حکومتی سطح پر اقدامات نہیں کیے جا رہے تو افراد کو انفرادی سطح پر زکوٰۃ کی ادائیگی ممکن بنانی چاہیے۔
- بینکوں میں نصاب کے لیے ایک سال کی مدت کو بھی مدنظر نہیں رکھا جاتا۔رمضان المبارک سے پہلے جمع شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے۔بینکوں کو سال کے گزرنے کی شرط کو پورا کرنا چاہیے۔
- تقسیم کار کے نظام میں بہتری کی ضرورت ہے۔اس کو وصول کرنے والے اگر دوسروں تک نہ پہنچائیں اور خود آپس میں ہی بانٹ لیں اور اس رقم کو ان مقاصد کے لے استعمال نہ کریں جن کے لیے کرنی ضروری ہے تو ظاہر ہے کہ غربت کی شرح میں کمی نہیں اضافہ ہوگا۔مستحقین زکوٰۃ کے بارے میں تسلی کر لینا ضروری ہے۔بعض اوقات ایسے طلبہ کو بھی زکوٰۃ کی مد سے رقم دے دی جاتی ہے جو کہ مستحقین کے زمرے میں نہیں آتے اور وہ اس رقم کو جیب خرچ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔طلبہ کے رویے کی اصلاح کی ضرورت ہے نیز محکمے کی ذمہ داری ہے کہ ان کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں۔
- بعض اوقات یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ زکوٰۃ تقسیم کرنے والا عملہ زکوٰۃ کی رقم خود اپنے رشتہ داروں پر ہی خرچ کرتا ہے اور اس کو مستحقین تک نہیں پہنچاتا۔حکومت کو چاہیے کہ زکوٰۃ کی تقسیم کے نظام کو ایسی بنیادوں پر استوار کرے کہ اس میں گھپلے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔اگر حکومت ہر حلقے کی مسجد کو اس کام کے لیے منتخب کرے تو زیادہ بہتر ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ چند معززین بھی شامل ہوں جو کہ امانتدار اور دیندار ہوں ان معززین کو منتخب کرنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ ان میں سے کوئی بھی صرف اپنے رشتہ داروں کو نہ نواز سکے گا۔حکومت اس طرح کو نسلروں کی سطح تک بہتری لائے اور تقسیم کار کے نظام کو بہتر بنائے۔

- جس طرح شادی کے لیے لڑکیوں کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاتی ہے، اسی طرح اگر لڑکے والے غربا اور مساکین میں شامل ہوں تو ان کی بھی مالی مدد کی جانی چاہیے۔
- زکوٰۃ کی رقم اتنی ہونی چاہیے جس سے غربا کی ضروریات احسن طریقے سے پوری ہو سکیں۔
- تقسیم زکوٰۃ کے وقت نمود و نمائش سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مراجع وحواشی

(۱) الحج ۲۲:۴۱ (۲) الذٰریٰت ۵۱:۱۹

(۳) شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، ابوالفیاض (م ۱۱۷۶ھ)، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۲ ص ۷۰، (ط۔الثانیۃ)، بیروت (لبنان): دار المعرفۃ، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء (۴) الحشر ۵۹:۷ (۵) التوبۃ ۹:۱۰۳ (۶) حجۃ اللہ البالغۃ، ۲/۷۰۔۶۹

(۷) الروم ۳۰:۳۹ (۸) Zakat Ordinance 1980,1(2) (۹) Ibid,2(xva)

(۱۰) Ibid, First Schedule, 1-11 (۱۱) Ibid,5(1) (۱۲) Ibid,5(3)

(۱۳) Ibid,5(5) (۱۴) Ibid,5(6)

(۱۵) ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ (م ۲۷۳ھ)، السنن، أبواب الزکوٰۃ، باب من استفاد مالاً، ۱۷۹۲؛ أبو داود، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، السجستانی (م ۲۷۵ھ)، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب في زکاۃ السائمۃ، ۱۵۷۳

(۱۶) زکوٰۃ وعشر آرڈیننس، ماہنامہ البلاغ، ج: ۱۵، ش: ۴، ص ۱۸، کراچی: دار العلوم، اگست ۱۹۸۰ء

(۱۷) Zakat Ordinance, 1(3) a (۱۸) Ibid, 1(3) 3A (۱۹) Ibid, 3(3), C (۲۰) الحج ۲۲:۴۱

(۲۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ (م ۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۴۰۰؛ أبو داؤد، السنن، کتاب الزکاۃ، باب وجوبھا، ۱۵۵۶؛ نسائی، احمد بن شعیب بن علی بن سنان، أبوعبدالرحمٰن (م ۳۰۳ھ)، السنن، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، ۲۴۴۵

(۲۲) زکوٰۃ کا نصاب اور اس کے مصارف، ماہنامہ البلاغ، ج: ۱۷، ش: ۶، ص ۲۳، اپریل ۱۹۸۳ء

(۲۳) اسلام کا قانون محاصل، ص ۱۶۶، لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری (۲۴) آل عمرٰن ۳:۱۴

(۲۵) علي المتقي بن حسام، علاء الدین، الھندی (م ۹۷۵ھ)، کنز العمال، ج ۳ ص ۱۸۵، بیروت (لبنان): موسسۃ الرسالۃ، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء (۲۶) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال، ۶۴۳۶

(۲۷) التغابن ۶۴:۱۶ (۲۸) ترمذی، محمد بن عیسی بن سورۃ، أبوعیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، الجامع، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی البخل، ۱۹۶۲

(۲۹) مسلم، مسلم بن الحجاج، أبوالحسین (م ۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب مثل المنفق والبخیل، ۲۳۶۱؛ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب مثل البخیل والمتصدق، ۱۴۴۳؛ نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ البخیل، ۲۵۴۸، ۲۵۴۹

(۳۰) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب انفاق المال فی حقہ، ۱۴۰۹ (۳۱) التوبۃ ۹:۳۴

(۳۲) Ibid, 8(a) (۳۳) Ibid, 8(b) (۳۴) Ibid, 8(b),i-iii

(۳۵) Disbursement Procedures of Zakat Programmes, Islamabad: Ministry of Religious Affairs Zakat & Ushr

(۳۶) التوبۃ ۱۰:۶۰ (۳۷) ابوداؤد، السنن، کتاب الزکاۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحدّ الغنی، ۱۶۳۵

اسلام میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

عبدالصمد شیخ*

ABSTRACT:

Islam is the only religion which takes care of religious minorities's rights. It emphasize on Muslim rulers to deal with non-Muslim minorities in the same way which is formulated for Muslims. Throughout Muslim history we find lot of examples of their fair dealing with non-Muslim and letting them avail the same rights and opportunities which were in approach of Muslim citizens. They can avail any opportunity provided by the state if they are living in that Muslim state. They are dealt with the same rules and laws which are regulated for their Muslim counterparts. They are free in this regard. No one can neither force them nor compel them to convert to Islam. This article discusses about this great freedom given by Islam for non-Muslim living in Muslim state.

اسلام جہاں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے وہی وہ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی مکمل پاسباں ہے۔بطور انسان وہ کسی کافر و مسلم کی تفریق کا حامل نہیں۔اس کے نزدیک بطور انسان سب برابر ہیں۔دین اسلام میں جو اخلاقی تعلیمات دی گئی ہیں ان میں کسی طرح کی کوئی تمیز نہیں کہ مسلمان سے کیسے پیش آیا جائے اور کافر کے ساتھ کیسے؟ وہ تعلیمات عام ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب ان تعلیمات سے متعلق احکامات دیے جارہے تھے تو مسلمان اقلیت میں جبکہ مشرکین و اہل کتاب اکثریت میں تھے۔اس کے باوجود مسلمان ان پر عمل کرنے کے پابند تھے۔دورِ اوّل کے مسلمانوں کا یہی وہ حسن کردار اور کامل اخلاق تھا جس کی بابت ان کے بارے میں ارشادِ باری نازل ہوا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ (الدھر:۸۔۹)

’’اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔(اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں نہ شکرگزاری کے (طلب گار)۔‘‘

حالانکہ اس دور میں سارے قیدی غیر مسلم تھے۔

---

* لیکچرر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد　برقی پتا: asamad86.iiui@live.com

تاریخِ موصولہ: ۱۵؍اپریل۲۰۱۲ء

غیر مقاتلین مشرکین واہلِ کتاب سے معاملات کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡھِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ o اِنَّمَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَاَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَظٰھَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡھُمۡ ۚ وَمَنۡ یَّتَوَلَّھُمۡ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ o (الممتحنۃ:۸۔۹)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔''

جب کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہم اپنے مشرک واہل کتاب اقرباء پر کیوں خرچ کریں؟ وہ تو اسلام اور اہلِ اسلام کے سخت مخالف ہیں۔اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

لَیۡسَ عَلَیۡکَ ھُدٰھُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ اللّٰہِ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ o (البقرۃ:۲۷۲)

''(اے نبیؐ!) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔اور (مومنو!) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں کو ہے اور تم تو جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے۔اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا۔اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔''(۱)

اسلام نے غیر مسلموں کی نہ صرف اعانت جائز قرار دی بلکہ مصارف زکوٰۃ میں ایک مصرف بھی ان کے لیے خاص فرمایا جسے تالیف قلب سے جانا جاتا ہے۔

امام قرطبیؒ مصارف زکوٰۃ میں وارد لفظ فقراء کے متعلق فرماتے ہیں:

ومطلق لفظ الفقراء لایقتضی الاختصاص بالمسلمین دون اھل الذمه(۲)

''مطلق لفظ فقراء اہلِ ذمہ کے علاوہ خاص مسلمانوں کی تخصیص کا متقاضی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب اہل مکہ قحط کا شکار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کمزور حال لوگوں کے لیے مالی امداد بھیجی۔(۳)

سعید بن مسیبؒ فرماتے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کے لیے صدقہ جاری کیا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کے لیے جاری رہا۔(۴)

عزیز بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن قیدیوں میں سے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا تھا کہ قیدیوں سے اچھے انداز سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں انصار کے پاس تھا۔ جب وہ صبح وشام اپنا کھانا کھاتے تو ہمارے لیے روٹی پیش کرتے اور خود کھجور پر گزارہ کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کی وجہ سے (۵)۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ خود پیدل چلتے اور ہمیں سواریوں پر سوار کرتے۔(۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کی عیادت کی اور اسے اسلام کی دعوت دی جسے اس نے قبول کرلیا تو آپؐ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے آگ سے بچالیا۔(۷)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا، آپؐ فوراً احتراماً کھڑے ہوگئے، کچھ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ: وہ انسان نہیں ہے؟(۸)

اگر کسی کے ماں باپ مسلمان نہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کی فرمانبرداری اور خدمت سے دستبردار ہوجائے بلکہ دین کے علاوہ ہر معاملے میں ان کا کہنا مانے اور اُف تک نہ کہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَـيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَ صَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا... (لقمان:۱۵)

''اور اگر وہ تیرے درپے ہوں [یا، اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں] کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں، دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا۔''

اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے: ''قریش کے صلح کرنے پر میری والدہ بھی آئیں۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپؐ سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ آئی ہیں اور وہ (قبول اسلام میں) رغبت رکھتی ہے۔ کیا میں ان سے صلۂ رحمی کا برتاؤ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اپنی والدہ سے صلۂ رحمی کا سلوک کرو۔(۹)

مسلمانوں کا یہ رواداری والا معاملہ عہد نبویؐ تک محدود نہیں، بلکہ بعد کے ادوار میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ یہی حسن سلوک کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو جس شخص نے زخمی کیا تھا وہ ایک غیر مسلم مجوسی تھا جو بطور ذمی اسلامی سلطنت میں قیام پذیر تھا۔ جب آپؓ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے تو آپؓ اپنے ہونے والے خلیفہ کو یہ نصیحت کررہے تھے کہ ذمیوں کے ساتھ اچھے انداز سے پیش آنا، ان سے کیے گئے وعدے پورے کرنا، ان کی مکمل حفاظت کرنا، ان کی طاقت سے بڑھ کر ان پر کسی چیز کا بوجھ مت ڈالنا۔(۱۰)

عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ اپنے غلام کو ہمیشہ یہ تاکید کرتے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر اپنے یہودی پڑوسی کو گوشت ضرور دیا کرے۔ جب غلام نے اتنی تاکید کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''جبریل ہمیشہ مجھے پڑوسی کے حوالے سے نصیحت کرتے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ کبھی اسے وراثت میں حصہ دار نہ بنا دے۔(۱۱)

جابر بن زیدؓ سے پوچھا گیا کہ ''صدقہ کسے دیا جا سکتا ہے؟ فرمایا مسلمان اور اہلِ ذمہ دونوں کو''۔(۱۲)

اسلام میں حسن سلوک کا معاملہ صرف اپنے ہم مذہب لوگوں تک محدود نہیں بلکہ تمام انسانیت اس میں شامل ہے کیونکہ اس کا تعلق مذہب سے زیادہ انسانی اقدار اور مکارمِ اخلاق سے ہے۔ امام شہاب الدین القرافی المالکیؒ فرماتے ہیں ''کمزور غیر مسلموں سے نرمی کا برتاؤ، ان کے فقیروں کی حاجت روائی، ان کے بھوکوں کو کھانا کھلانا، ان کو لباس پہنانا، ان کے ساتھ لطف و رحمت کرنا (نہ کہ خوف و ذلت کے سبب)، نرم کلامی کرنا، ان کی ہمسائیگی میں پیش آنے والی کوئی بھی تکلیف بوجہ نرمی (نہ کہ کسی خوف یا لالچ کی بنیاد پر اور ازالے پر قدرت کے باوجود) برداشت کرنا، ان کے لیے ہدایت پانے اور اہلِ سعادت میں شامل ہونے کی دعا کرنا، دینی و دنیاوی تمام امور میں ان کی خیر خواہی کرنا، اگر کسی کو ان سے ایذا پہنچے تو ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا، ان کے اموال، عصمتوں، تمام حقوق و مصالح کی حفاظت، ازالہ ظلم میں ان سے تعاون اور انہیں ان کے تمام حقوق دلوانا، مکارم اخلاق سے ہیں۔(۱۳)

جان کی حفاظت:

موجودہ دور میں جو غیر مسلم اسلامی ریاستوں میں قیام پذیر ہیں، ان کی جان کی وہی اہمیت و قیمت ہے جو کسی بھی مسلم شہری کی ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی بھی معاہد کو قتل کر دے تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائے گا جس طرح کسی مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خبردار جس نے کسی معاہد شخص کو قتل کیا جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ تھا، یقیناً اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے میں کوتاہی کی۔ قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا جو کہ ستّر سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔(۱۴)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبلہ (مسلمان) کے ایک شخص کو اس لیے قصاص میں قتل کروایا کہ اس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا اور پھر فرمایا ''میں اس کے ذمے کے وفا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں''۔(۱۵)

حضرت عمرؓ کی شہادت کے موقع پر آپؓ کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان اور ابولؤلؤ کی بیٹی کو قتل کی سازش میں شریک ہونے کے شبہ میں قصاص میں قتل کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں یہ کیس آپؓ کے سامنے پیش ہوا۔ جلیل القدر صحابہؓ کی رائے تھی کہ انہیں قصاص میں قتل کیا جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے پاس سے دیت دے کر عبداللہ بن عمرؓ کی جان بچائی۔(۱۶)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپؓ کے پاس ایک مسلمان کو لایا گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ اس شخص پر جرم بھی ثابت ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے اس شخص کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔ اتنے میں مقتول کا بھائی آ گیا اور کہنے لگا کہ میں

نے قاتل کو معاف کر دیا ہے۔آپ ﷺ مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا: شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں خون بہا لے چکا ہوں اور ویسے بھی قاتل کا قتل میرے بھائی کو واپس نہیں لا سکتا۔آپ ؐ نے فرمایا: تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔پھر فرمایا جو کوئی ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔(۱۷)

عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے اپنے حیرہ کے حاکم کو ایک مسلمان سے متعلق تحریری حکم نامہ بھیجا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا کہ قاتل کو مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے۔ان کی مرضی چاہے تو قتل کرے یا معاف کر دیں۔ چنانچہ قاتل مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا جسے انہوں نے قتل کر دیا۔(۱۸)

مذکورہ آثار و روایات سے پتا چلتا ہے کہ معاہدین کے لیے بھی قصاص سے متعلق وہی احکامات ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہیں۔اس حوالے سے مولانا مودودی فرماتے ہیں ''ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے۔اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کرے گا تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائے گا جس طرح مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے''۔(۱۹)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی فرماتے ہیں ''جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ''مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے''(۲۰) تو اس سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ معاہد۔آپ مزید فرماتے ہیں: اسلام ذمیوں کو جس طرح جانی تحفظ فراہم کرتا ہے اسی طرح جسمانی تشدد اور مار پیٹ سے بھی ان کی حفاظت کرتا ہے۔چنانچہ اسلامی قانون انہیں جزیہ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے یا اپنے مالی واجبات (مثلاً جزیہ یا خراج) کی ادائیگی کے روک دینے پر جسمانی ایذا پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا جبکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے مسلمانوں کے حوالے سے وہ سخت موقف اپناتا ہے۔مالی واجبات ادا نہ کرنے والے ذمیوں کے حوالے سے فقہاء نے تادیباً زیادہ سے زیادہ سزا قید جائز قرار دی ہے اور وہ بھی ایسی جس میں کسی طرح کا تشدد یا مشقت شامل نہ ہو''۔(۲۱)

مال کی حفاظت:

اہلِ ذمہ کے اموال کی حفاظت بھی ایسے ہی ضروری ہے جیسے اہل اسلام کے اموال کی، یہ ان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔حضرت علیؓ فرماتے تھے ''اہل ذمہ نے عقد ذمہ قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح، اور خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائے۔(۲۲)

قاضی ابوعبید قاسم بن سلام نے اہل نجران کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے کی درج ذیل شق نقل کی ہے: ''اہل نجران کے تمام افراد کو اپنے اموال، جانوروں، زمینوں، مذہبی معاملات، عبادت گاہوں اور ان کے قبضے میں تمام کم یا زیادہ اشیاء سب کے باب میں اللہ کی نگہبانی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری حاصل ہو گی''۔(۲۳)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جابیہ میں تھے کہ ایک ذمی نے آکر ان کو خبر دی کہ لوگوں نے ان کا انگوروں کا باغ تباہ کر ڈالا۔ آپؓ خود تحقیق کے لیے بڑھے تو دیکھا کہ آپؓ کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب ڈھال میں انگور لیے جا رہے ہیں۔

فرمایا: اچھا! آپ بھی ہیں۔انہوں نے جواب دیا: امیر المومنین! بھوک نے ستایا تھا اس وجہ سے یہ حرکت ہوگئی۔آپؓ نے فوراً حکم دیا کہ باغ والے کو اس کے انگوروں کی قیمت ادا کردی جائے۔(۲۴)

صعصعہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ہم لوگ جب اہلِ ذمہ کی بستیوں سے گزرتے ہیں تو ان کی چیزوں میں سے کبھی کوئی چیز لے لیتے ہیں۔انہوں نے پوچھا: بلا قیمت؟ میں نے کہاہاں بلا قیمت۔ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ وہی بات کہتے ہو جو اہلِ کتاب کہتے ہیں:

لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ۝ (آل عمران:۷۵)

''ہمارے لیے امیوں (غیر اہل کتاب) کا مال کھا جانے میں حرج نہیں اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر بہتان لگاتے ہیں۔'' (۲۵)

مذکورہ آثار وروایات سے پتا چلتا ہے کہ اہل ذمہ کے اموال کا تحفظ ویسے ہی ضروری ہے جیسے عام مسلمانوں کی املاک کا، اگر کسی طرح بھی انہیں کوئی نقصان پہنچتا ہے تو ریاست اس کی ذمہ دار ہوگی۔

سماجی انصاف کی فراہمی:

کسی بھی معاشرے یا ریاست کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس میں سماجی انصاف کا بول بالا ہو۔اس کی فراہمی معاشرے کے مخصوص افراد یا کسی خاص طبقہ تک محدود نہ ہو، بلکہ معاشرے کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد تک بھی اس کی رسائی ہو۔ اسلام کی سماجی انصاف سے متعلق تعلیمات اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ریاست کا ہر شہری اس میں شامل ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ... (النساء:۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ شُہَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۫ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ ہُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۝ (المائدۃ:۸)

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات

ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔''

اسلام نے حاکم کو جہاں اختیارات تفویض کیے ہیں وہی احساس مسئولیت بھی اجاگر کیا ہے۔ ہر شخص اپنے ماتحت سے متعلق معاملے پر اللہ کے سامنے جواب دہی کے لیے پیش ہوگا جہاں اسے اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيتة، والامام راع ومسئول عن رعيته(۲۶)

حکام سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس شخص کو بھی اللہ کسی رعایا پر نگہبان مقرر کرتا ہے اور وہ ان کے ساتھ بھلائی والا معاملہ نہیں کرتا، وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔(۲۷)

اسلام میں سماجی انصاف سے متعلق جتنے بھی احکامات دیے گئے ہیں وہ ہر قسم کی تمیز و تخصیص سے بالاتر ہیں۔ ان میں کسی مذہب یا قوم و قبیلے کی تخصیص نہیں بلکہ وہ سب کو شامل ہیں۔ ایک موقع پر جب قبیلہ مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ نے چوری کرلی اور اس کے خاندان نے اسامہ بن زیدؓ سے گزارش کی کہ آپؓ اس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں کہ وہ ان کی سزا میں تخفیف کردے، جب اسامہؓ نے آپؐ کے پاس آکر اس عورت کے حوالے سے سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا: ''تم سے پچھلے لوگ صرف اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی امیر و معزز شخص چوری کرتا تو وہ اس کی حد ساقط کردیتے اور جب کوئی غریب و کمزور شخص چوری کرتا تو وہ اس پر حد نافذ کرتے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا۔(۲۸)

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک مصری آپؓ کے پاس شکایت لے کر آیا کہ عمرو بن عاصؓ (حاکم مصر) کے بیٹے محمد نے مجھے برسر عام کوڑے مارے ہیں۔ سبب اس کا یہ تھا کہ عمرو بن عاصؓ نے ایک گھڑسواری کا مقابلہ کروایا تھا جس میں ان کے بیٹے محمد پر میں سبقت لے گیا جس پر وہ میرے پاس آیا اور کوڑے برسانے لگا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا کہ تو اسی کا مستحق ہے جبکہ میں تو ابن الاکرمین ہو۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر عمرو بن عاصؓ کو مصر سے بلانے کے لیے حکم نامہ جاری فرمایا اور کہا کہ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لائیے گا۔ جب عمرو بن عاصؓ اپنے بیٹے کے ہمراہ تشریف لا چکے تو آپؓ نے اس شخص کو کوڑا دیا اور فرمایا کہ: ''**دونک الدرة، فاضرب ابن الاکرمین، اضرب ابن الاکرمین**'' (یہ لو کوڑا اور اس ابن الاکرمین کو مارو) اور پھر مزید فرمایا کہ ''**متی استعبدتم الناس وقدولدتهم امهاتم احرارا**''(تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کردیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔)(۲۹)

سماجی انصاف کے قیام کی یہی وہ تاکید تھی جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ انسان تو انسان جانوروں کی بابت بھی یہ فرماتے تھے کہ: ''**لو مات جمل ضياعا على شط الفرات لخشيت ان يسالنى الله عنه**'' (اگر فرات کے کنارے ایک

اونٹ بھی پیاسا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ اس کی بابت مجھ سے پوچھے گا۔)(۳۰)

چند لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سماجی انصاف قائم کیے بغیر چند عبادات کے قیام سے ریاست کو استحکام اور معاشرے کو مکمل تباہی سے بچایا جا سکتا ہے۔ درحقیقت یہ ایسی غلط فہمی ہے جس نے امت مسلمہ کو آج تباہی کی اس دہلیز پر پہنچا دیا ہے جس سے واپسی کا بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ آج اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ ریاستیں عبادات کے قیام کے لیے تو کسی حد تک فضا ہموار کرتی ہے لیکن سماجی انصاف کو پنپنے اور نظام کی اصلاح کرنے کو تیار نہیں۔ درحقیقت یہ روش دین کی روح کے منافی ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

ان اللہ یقیم الدولۃ العادلۃ وان کانت کافرۃ، ولایقیم الدولۃ الظالمۃ وان کانت مسلمۃ، الدنیا تدوم مع العدل والکفر ولاتدوم مع الظلم والاسلام(۳۱)

''اللہ عدل وانصاف والی حکومت کو باقی رکھتا ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ ظالم حکومت کو باقی نہیں رکھتا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا میں استحکام عدل وکفر کے ساتھ تو ہو سکتا ہے لیکن ظلم واسلام کے ساتھ نہیں۔''

دینی معاملات میں آزادی:

مذہب کا اختیار ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس میں کسی طور پر بھی جبر واکراہ سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ اللہ نے انسان کو عقل ورشد کی دولت سے نوازا ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اسے حق تک پہنچنے کے لیے استعمال کرے۔ بطور اشرف المخلوقات انسان اتنا مکرم ہے کہ وہ ہر مسلک ومذہب کو اپنانے کی پوری آزادی رکھتا ہے۔ یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ اسے کسی مسلک ومذہب کے اپنانے پر مجبور کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO (البقرۃ:۲۵۶)

''دین (کے معاملے) میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جس شخص نے طاغوت [یعنی جھوٹے معبودوں] کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ (سب کچھ) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَO (یونس:۹۹)

''تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں؟''

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اسلام تو روزِ روشن کی طرح واضح دین ہے۔اس کے دلائل و براہین نہایت واضح ہیں۔وہ ہرگز اس بات کا محتاج نہیں کہ کسی کو اس کے اپنانے پر مجبور کیا جائے۔(۳۲)

مسلمان صرف اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ غیر مسلموں کو دعوت دے، اب یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ نے ایک بوڑھی عیسائی خاتون کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ اسلام لے آؤ محفوظ ہو جاؤ گی۔یقیناً اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔وہ عورت کچھ سوچ کر بولنے لگی کہ میں تو اب (موت کے) قریب ہی ہوں۔(مطلب اب کیا فائدہ) آپؓ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ ہو جا۔(۳۳)

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر آپؓ نے یہ آیات تلاوت کی کہ دین میں جبر و زبردستی نہیں۔(۳۴)

عہد نبویؐ اور بعد کے ادوار میں نہ صرف اہل کتاب کو اپنے مذہب پر باقی رہنے کی اجازت دی گئی بلکہ انہیں اپنے تمام مذہبی شعائر اپنانے کی اجازت بھی دی گئی بس اس شرط کے ساتھ کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں مخل نہ ہوں۔

اہلِ نجران کے ساتھ طے پانے والے معاہدے میں آپؐ نے تحریر کیا تھا کہ ''ہر وہ چیز جو ان کی ملکیت میں ہے وہ انہیں کے پاس رہے گی۔ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ ہے۔کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کاہن کو اس کی کہانت سے زبردستی نہیں ہٹایا جائے گا۔(۳۵)

اہلِ ایلیاء کے ساتھ جو معاہدہ حضرت عمرؓ نے کیا تھا وہ بھی کچھ اسی نوعیت کا تھا۔اس کا متن یہ ہے کہ " عمرؓ امان دیتے ہیں اہل ایلیاء کو ان کی جانوں کا، اموال کا، عبادت گاہوں کا اور ان کے تمام افراد کا۔نہ ان کی عبادت گاہوں کو بے آباد کیا جائے گا، نہ انہیں گرایا جائے گا اور نہ ان کا کوئی حصہ لیا جائے گا۔وہ اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔انہیں دین کے حوالے سے کسی طرح بھی مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں کسی قسم کی بیجا تکلیف دی جائے گی۔(۳۶)

ابن خلدونؒ تاریخ طبری سے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''پھر حضرت عمرؓ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور قمامہ گرجا گھر کے صحن میں آ کر بیٹھ گئے۔جب نماز کا وقت قریب ہوا تو راہب سے کہا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے۔راہب نے جواب دیا کہ جہاں کھڑے ہیں وہیں ادا کر لیجیے۔آپؓ نے نماز وہاں نہیں پڑھی بلکہ دروازہ کے قریب سیڑھیوں کے پاس جا کر اکیلے ادا کی۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو راہب کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ:''**لو صلیت داخل الکنیسة اخذھا المسلمون بعدی**'' اگر میں کنیسہ کے احاطے میں ہی نماز پڑھ لیتا تو مسلمان اس جگہ کو بعد میں مسجد بنا لیتے کہ یہاں تو عمرؓ نے نماز پڑھی تھی۔پھر آپؓ نے تحریر کروا دیا کہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ یہاں سیڑھیوں کے پاس نماز با جماعت ادا کریں یا اذان دیں۔(۳۷)

مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان حکام نے غیر مسلموں کو اس حوالے سے کس حد تک آزادی دی تھی۔

خالد بن ولیدؓ نے اہل عانات سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ''وہ نماز کے اوقات کے سوا روز و شب کے جس حصے میں چاہیں اپنے ناقوس بجا سکتے ہیں اور اپنے تہوار کے دنوں میں صلیب لے کر نکل سکتے ہیں''۔(۳۸)

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں سے متعلق عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ ہے کہ ''جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں کہ وہ نئے معابد اور کنائس تعمیر کریں یا ناقوس بجائیں۔ یا علانیہ شراب اور سور کا گوشت بیچیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کیے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کیا ہے اور انہوں نے مسلمانوں کے حاکم کی اطاعت قبول کر لی ہے تو عجم کے لیے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدے میں طے ہو جائیں اور مسلمانوں پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔(۳۹)

اہلِ ذمہ کے معاشرتی معاملات سے متعلق امام مالکؒ کا فتویٰ ہے کہ ''اہلِ ذمہ میں سے اگر کوئی زنا کرے یا شراب پی لے تو مسلمان حاکم کسی طور پر بھی ان کا مواخذہ کرنے کا اہل نہ ہوگا ماسوائے اس کے کہ وہ اسلامی معاشروں میں یہ کریں اور مسلم معاشرے کو اس سے نقصان پہنچے۔اس صورت میں حاکم انہیں روکنے اور توبیخ کرنے کا مجاز ہوگا''۔(۴۰)

ادیانِ عالم میں جتنی مذہبی آزادی اسلام نے دی ہے شاید ہی کوئی اور دین اس کے برابر ہو۔اس بات کا اعتراف نہ صرف مسلم مؤرخین نے کیا ہے بلکہ بہت سے مغربی مؤرخین نے بھی اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ ادیان عالم میں اسلامی مذہبی رواداری کی کوئی نظیر نہیں۔ معاصر فرانسیسی مؤرخ گوستاف لوبون (Gustave Le Bon) کا کہنا ہے ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ عظیم مسامحت والا معاملہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے والے ادیان کے بانیوں کی طرف سے یہ تسامح کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا بھی اسی طریقے پر چلے۔ آگے مزید فرماتے ہیں کہ: ''بہت سے مغربی مؤرخین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلمان ہی وہ قوم ہیں جنہوں نے دیگر ادیان کے ماننے والوں کے لیے اپنی دینی غیرت اور باہمی مذہبی رواداری کو جمع کیے رکھا۔ ایک طرف تو وہ اپنے دین کو پھیلانے میں بے حد فعال تھے جبکہ دوسری جانب انہوں نے دیگر ادیان کے ماننے والوں کو (جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا) کھلی آزادی دے رکھی تھی اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے کی''۔(۴۱)

برطانوی ماہر تعلیم اور مورخ آرنلڈ تھوماس (ArnoldThomas) لکھتے ہیں ''یقیناً مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری کے آخر دور حکومت تک عیسائیوں کے ساتھ عظیم رواداری والا برتاؤ کیا ہے۔ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جن مسیحی قبائل نے بھی اسلام قبول کیا ہے انہوں نے برضا و خوشی اسے قبول کیا ہے نہ کہ کسی دباؤ کے تحت۔ عرب عیسائیوں کا آج مسلمانوں کے مختلف علاقوں میں دورِ اوّل سے لے کر اب تک رہنا اس بات کی سب سے بڑی گواہی ہے''۔(۴۲)

تمدنی اور معاشرتی آزادی:

اقلیات کے لیے اسلام میں آزادی ان کی مذہبی رسوم تک محدود نہیں بلکہ انہیں پوری اجازت ہے کہ وہ اپنے شخصی، نجی یا

عائلی معاملات اپنے درمیان اپنے مروجہ مذہب یا عادت کے مطابق طے کریں۔ روزِ اوّل سے غیر مسلم اسلامی ریاستوں میں مقیم رہے ہیں، انہیں کبھی بھی ان کے شخصی معاملات میں اسلامی قانون پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا ماسوائے اس صورت میں کہ معاملے کا کوئی فریق مسلم ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا ؕ وَ اِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o وَ کَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَ عِنْدَھُمُ التَّوْرٰۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ o (المائدۃ:۴۲۔۴۳)

''اگر یہ تمہارے پاس (کوئی مقدمہ فیصل کرانے کو) آئیں تو تم ان میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا۔ اور اگر ان سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور یہ تم سے (اپنے مقدمات) کیونکر فیصل کرائیں گے جب کہ خود ان کے پاس تورات (موجود) ہے جس میں اللہ کا حکم (لکھا ہوا) ہے (یہ اسے جانتے ہیں) پھر اس کے بعد اس سے پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

مذکورہ آیت میں اختیار اقلیتوں کو دیا گیا ہے کہ وہ خود کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے مروجہ قوانین کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں یا اسلامی عدالت کا رخ کرتے ہیں؟ انہیں کسی صورت میں بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک دفعہ اسی حوالے سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سیدنا حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ خلفائے راشدین نے اہل ذمہ کو محارم سے نکاح اور شراب وسؤر کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیا ہے؟ آپؒ نے جواب ارشاد فرمایا کہ: ''انما بذلوا لیترکوا وما یعتقدون. وانما انت متبع ولا مبتدع'' (۴۳) (انہوں نے جزیہ دینا قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے۔ آپؒ کا کام پچھلے طریقے کی پیروی کرنا ہے نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا۔)

عہد نبویؐ میں اقلیتوں کو پورا اختیار تھا کہ وہ اپنے نجی معاملات میں اپنے قوانین کے مطابق فیصلہ کریں۔ انہیں یہ اختیار میثاق مدینہ کے موقع پر ہی دے دیا گیا تھا۔ اگر وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروانا چاہیں تو یہ ان کی صوابدید پر تھا۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ''یہود کے ایک مرد و عورت نے زنا کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس معاملے کو لے کر چلتے ہیں۔ وہ ویسے ہی نرمی و آسانی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور سزا تجویز کی تو وہ اسے قبول کرلیں گے اور اللہ کے ہاں دلیل دیں گے کہ ہم نے تیرے بھیجے ہوئے نبی کے فیصلے پر عمل کیا تھا۔ جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا کہ تم اس معاملے سے

متعلق تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ مجرم کا منہ کالا کر کے اسے سرعام رسوا کیا جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوگئی کہ تورات میں ان کی سزا رجم ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں بھی وہی سزا تجویز کروں گا جو تورات میں ہے۔ پھر انہیں رجم کر دیا گیا''۔(۴۴)

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقلیتوں کو اپنے شخصی معاملات میں مکمل اختیار تھا کہ وہ خود اپنے قوانین کے مطابق فیصلہ کریں یا اسلامی عدالت کا رخ کریں۔ اسی آزادی کے سبب بہت سے ادوار میں نصاریٰ کے لیے خاص عدالتیں قائم کی گئیں جن کے قاضی عیسائی ہوتے تھے۔ اسی طرح کی ایک عدالت اندلس میں بھی تھی جس کے قاضی ''قاضی العجم'' کے لقب سے جانے جاتے تھے۔(۴۵)

اسلامی ریاست میں عیسائی عدالت اور اس کے عیسائی قاضی سے متعلق ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

یجوز تقلیده القضاء بین اهل دینة، وهذا وان کان عرف الولاة بتقلیده جاریاً فهو تقلید زعامة ورئاسة ولیس بتقلید حکم وقضاء، وانما یلزمهم حکمه لالتزامهم له لالزومه لهم، ولایقبل الامام قوله فیما حکم بینهم، واذا امتنعوا من تحاکمهم الیه لم یجبروا علیه، وکان حکم الاسلام علیهم انفذ(۴۶)

اسلامی تاریخ میں بہت سے موقعوں پر یہ بھی ہوا کہ اقلیتوں نے مسلم قاضی پر مکمل اعتماد اور بھروسا کیا، اور اپنے ہر معاملے میں اس کو فیصل ٹھہرایا۔ ابوعمر الکندی نے اس حوالے سے اپنی کتاب ''الولاة والقضاة'' میں قاضی خیر بن نعیم الحضرمی اور قاضی محمد بن مسروق کا نام خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔(۴۷)

اقلیتوں کی شخصی معاملات میں آزادی سے متعلق ڈاکٹر یوسف قرضاوی حفظہ اللہ رقم طراز ہیں: ''اسلام غیر مسلموں کے اموال واملاک کی اس حد تک رعایت کرتا ہے کہ ان اشیا کو بھی محترم گردانتا ہے جسے وہ لوگ اپنے دین کی رو سے مال سمجھتے ہوں۔ اگرچہ مسلمانوں کی نظر میں وہ مال کی تعریف پر پوری نہ اترتی ہو۔ چنانچہ شراب اور خنزیر مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں سمجھے جاتے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی شراب تلف کردے یا اس کے خنزیر کو ہلاک کردے تو اس پر نہ تو کوئی جرمانہ ہے، نہ اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے، بلکہ وہ اس پر اجر وثواب کا مستحق سمجھا جائے گا کیونکہ اپنے دین کے لحاظ سے اس کی نیت ایک برائی کا خاتمہ کرنا تھی جو اس پر حسب استطاعت واجب یا مستحب ہے۔ علاوہ ازیں کسی مسلمان کے لیے یہ اشیا اپنے پاس رکھنا یا دوسروں کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ لیکن فقہائے احناف کی تصریح کے مطابق غیر مسلم کی ملکیت میں شراب یا خنزیر اس کی نظر میں تو بہترین مال کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا جو شخص ذمی کو ان سے محروم کرے گا وہ ان کی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے''۔(۴۸)